امام طحاویؒ اور اُن کی شرح معانی الآثار

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

امت نے جن محدثین کے مجموعوں کو صحاح ستہ کا درجہ دیا ہے، ان کے ہمعصر امام طحاویؒ بھی ہیں، جو علم و تحقیق میں مجددانہ شان رکھتے ہیں، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں، وھو امام مجتھد و مجدد کما قال ابن الاثیر الجزری، اس کا مطلب یہ ہے کہ شرح حدیث اور اس کے محامل و غوامض اور بحث و تحقیق کے لحاظ سے ان کو مجدد کہا گیا ہے، متقدمین اپنی کتابوں میں بحث و تحقیق کے بغیر روایات نقل کرتے چلے آتے ہیں امام طحاویؒ نے بحث و تحقیق کی جدید راہ کھولی۔[1]

اُن کی کتاب شرح معانی الآثار اپنی خصوصیات و فوائد کے لحاظ سے ان تمام کتابوں میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ محدثینِ عظام کی بزم میں امام طحاویؒ اور ان کے کارنامے کا مختصراً تعارف کرایا جائے۔

نام و نسب احمد نام ابو جعفر کنیت الازدی الحجری المصری الطحاوی نسبت ہے، شجرۂ نسب یہ ہے۔

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ الازدی الحجری المصری الطحاوی۔[2]

جمہور محدثین و مؤرخین کا اس نسب نامے پر اتفاق ہے۔

امام موصوف کا تعلق چوں کہ یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی شاخ حجر سے تھا اس لئے اس کی طرف منسوب ازدی و حجری کہلاتے ہیں[3] چوں کہ امام صاحب کے آباو اجداد فتحِ اسلام کے بعد مصر آکر آباد ہو گئے تھے[4]

---

[1] معارف السنن ج ۱ ص ۱۱۵۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ صفحہ ۲۹ و لسان المیزان ج ۱ ص ۱۷۵۔ [3] الجواہر المضیۃ۔ [4] الحاوی ص ۸

اس لئے مصر کی طرف بھی نسبت کی گئی ہے۔

طحاوی طحا صعید مصر میں ایک گاؤں ہے جس کی طرف منسوب ہو کر طحاوی کہلاتے ہیں۔ اگرچہ صاحب معجم البلدان کی تحقیق یہ ہے کہ امام موصوف طحا کے باشندہ نہیں تھے، بلکہ اس کے قریب ہی ایک مختصر آبادی جو تقریباً دس مکانات پر مشتمل تھی جس کو طحطوط کہتے ہیں، اس کو امام صاحب کے وطنِ عزیز ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مگر امام صاحب نے طحطوطی نسبت کو پسند نہ فرمایا، بلکہ اپنی وطن سے قریبی آبادی طحا کی طرف نسبت کی ہے[1]

پیدائش و وفات سن پیدائش میں قدرے اختلاف ہے، ۲۳۸ھ و ۲۳۹ھ بتایا گیا ہے۔ مگر مؤرخ ابن خلکان نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے[2] علامہ ذہبیؒ نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے، کیوں کہ خود امام طحاوی سے یہی روایت ہے۔ سنِ وفات کے متعلق جمہور کی رائے ۳۲۱ھ ہے، تاریخِ ولادت مصطفیٰ ۲۲۹، مدتِ عمر محمد ۹۲ اور تاریخِ وفات محمد مصطفیٰ ۳۲۱، قبر مبارک مصر میں امام شافعیؒ کے پہلے واقع ہے۔

مصر ضروری معلوم ہوا کہ امام صاحب نے جس علم و دین کے گہوارے میں شعور کی آنکھیں کھولی تھیں اس کی علمی و دینی مرکزیت کو بیان کیا جائے، مصر وہ سرزمین ہے۔ جہاں تین سو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مبارک قدم آئے، حافظ جلال الدین سیوطی نے الدر السمابہ فی من دخل مصر من الصحابۃ رض[3] میں ان سب کا تذکرہ لکھا ہے، حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ مصر کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی ایک خلقت یہاں آکر سکونت گزیں ہوئی اور تابعین کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی پھر عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد، ابن لہیعہ کے دور میں اور زیادتی ہوئی جو ابن وھب، امام شافعی، ابن القاسم اور ان کے تلامذہ کے زمانے تک باقی رہی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں، وما زال بہا علم جم الی ان ضعف ذلک باستیلاء العبیدیین الرافضۃ علیہا سنۃ ۳۵۸ھ ثمان وخمسین وثلث مائۃ، اور وہاں برابر خوب علم رہا تا آنکہ ۳۵۸ھ میں عبیدی رافضیوں کے استیلاء کی بناء پر اس میں ضعف آگیا، امام شافعی کے مذہبِ جدید کی تدوین یہیں ہوئی[4]

---

[1] معجم البلدان ص ۳۰ ج ۹ [2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۵۳۔ والفوائد السنیۃ ص ۳۸ والبدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۷۴

[3] اس رسالہ کو حسن المحاضرہ میں بتمام و کمال نقل کر دیا ہے، [4] الاعلان بالتوبیخ للسخاوی۔ ص ۱۳۹

حضرتِ نافعؒ جو عبداللہ بن عمرؓ کے تلمیذِ رشید ہیں اور تیس سال ان کی خدمت میں رہے ہیں، انھیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں مصر معلم بنا کر بھیجا تھا اور لیث بن سعد یہیں کے رہنے والے تھے، جن کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں اللیث افقہ من مالك الا انّہ ضیّعہ اصحابہ، لیث امام مالک سے زیادہ افقہ تھے پر ان کے شاگردوں نے انھیں ضائع کر دیا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، ضائع کر دینے سے امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مالک وغیرہ کے تلامذہ نے ان کی فقہ کو مدون کیا امام لیث کے شاگردوں نے نہیں کیا۔[۱]

چوں کہ اکثر قضاۃ وہاں کے امام ابوحنیفہ کے مسلک پر تھے، اس لئے فقہ حنفی کی بھی کافی شہرت تھی۔

تحصیلِ علم امام موصوف علم کی طلب میں مصر آئے اور وہاں اپنے ماموں ابوابراہیم مزنی جو امام شافعیؒ کے اجلِ تلامذہ میں تھے، ان سے پڑھتے رہے، اس لئے ابتداءً امام شافعیؒ کے مقلد تھے، مگر چند سالوں کے بعد جب احمد بن ابی عمران حنفی مصر کے قاضی بن کر آئے تو ان کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے علم حاصل کیا، حتیٰ کہ ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر فقہ شافعی کے بجائے فقہ حنفی کے متبع ہو گئے،[۲] محمد بن احمد شروعی نے امام طحاوی سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے ماموں کی کیوں مخالفت کی اور کیوں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو اختیار کیا؟ تو فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ماموں ہمیشہ امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو مطالعے میں رکھتے تھے، پس اسی لئے میں بھی اس کی طرف منتقل ہو گیا۔[۳] علامہ کوثری نے اس روایت کو بالتفصیل نقل کیا ہے کہ امام طحاوی نے اپنے ماموں مزنی کو دیکھ کر خود امام صاحب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، وہ فرماتے ہیں کہ ان کتابوں نے مجھے مذہبِ حنفی کا گرویدہ بنا لیا، جس طرح میرے ماموں مزنی کو بھی امام ابوحنیفہ کی طرف مائل کر دیا تھا، جیسا کہ مختصر مزنی سے ظاہر ہے کہ بہت سے مسائل میں امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے۔[۴] چوں کہ یہ خود امام طحاوی کا اپنا بیان ہے، اس لئے یہی صحیح و معتبر ہے اس سلسلے میں جو بہت سے واقعات لسان المیزان وغیرہ میں نقل کئے گئے ہیں وہ سب بے سند و خلاف درایت ہیں۔

سماعِ حدیث کے لئے سفر امام صاحب نے امام مزنیؒ کے علاوہ مصر کے دیگر محدثین کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر فقہ و حدیث کو حاصل کیا، جس میں چند کے نام یہ ہیں، یونس بن اعلیٰ المتوفی ۲۶۴ھ جن کے متعلق ذہبیؒ کے شاندار

---

[۱] الرحمۃ الغیثیہ فی الترجمۃ اللیثیہ از حافظ ابن حجر ص۶ [۲] معجم البلدان ص۳ - الفوائد البہیہ ص ۳۸ -
[۳] وفیات الاعیان ج۲ ص ۵۳ - [۴] الحاوی ص ۱۶ -

الفاظ یہ ہیں: عالم الدیار المصریة الامام الحافظ المقری، اور ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم بحر بن نصر، عیسیٰ بن شرود، ان کے علاوہ ابن عیینہ اور ابن وھب کے تلامذہ اور اس طبقہ کے دیگر مشائخ سے استفادہ کیا، اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کے بعد ۲۶۸ھ میں ملک شام کا رُخ کیا، جہاں ابو خازم قاضی دمشق سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کی، اس کے بعد ۲۶۹ھ میں مصر واپس تشریف لائے[1]

علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ جو شخص امام طحاوی کے شیوخ کے تراجم پر نظر ڈالے گا تو اسے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان کے شیوخ میں مصری، مغاربہ، یمنی، بصری، کوفی، حجازی، شامی و خراسانی مختلف ممالک کے حضرات نظر آئیں گے جن سے امامِ موصوف نے اخبار و آثار کا علم حاصل کیا، مصر اور اس کے علاوہ دیگر ۵ شہروں کے شیوخ سے تحصیلِ علم کے لئے بادیہ پیمائی کی، یہی نہیں بلکہ مصر میں ہر وارد ہونے والے محدث و عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے، یہاں تک کہ وہ علوم جو مختلف اشخاص کے پاس پراگندہ تھے، ان سب کو امام موصوف نے سمیٹ لیا[2]

شیوخ و اساتذہ ان کے شیوخ کی تعداد بیشمار ہے، ان کے ناموں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس دور کے ہر خرمنِ حدیث سے خوشہ چینی کی، جن میں امام بخاری و امام مسلم کے شیوخ بھی ہیں، کیونکہ امام بخاری کا سنِ وفات ۲۵۶ھ ہے — اس وقت امام طحاوی ۲۷ سال کے تھے، اسی طرح امام مسلمؒ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی ہے جبکہ امام طحاوی ۳۲ سال کے تھے[3] امام طحاوی بواسطہ امام مزنی امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور ان دو کے واسطے سے امام مالک و امام محمد کے اور ان تینوں کے واسطے سے امامِ اعظمؒ کے تلمیذ ہیں[4]

ایسے مشائخ سے بھی روایت کرتے ہیں جن میں دیگر اصحابِ صحاح شریک ہیں، ان کی تعداد ۳۶ ہے، تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ اعانی الاخبار۔

تلامذہ ان کے علمی کمالات نے ان کی ذات کو طالبانِ حدیث و فقہ کا مرجع بنا دیا تھا، اس لئے تلامذہ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، ان کی ایک مختصر فہرست پیش ہے:-

احمد بن قاسم خشاب، ابو الحسن محمد بن احمد اخمیمی، د یوسف میانجی، ابو بکر بن المقری، طبرانی۔

---

[1] لسان المیزان ج۱ ص۲۷۵۔ [2] الحاوی فی سیرة الامام الطحاوی ص ۹۔ [3] الحاوی ص ۹۔ [4] معارف ج۱ ص۱۱۳۔

احمد بن عبدالوارث زجاج، عبدالعزیز بن محمد جوہری قاضی صعید، محمد بن بکر بن مطروح اور ان کے علاوہ دیگر حضرات ہیں[1]

علمی مرتبہ حفظِ حدیث کے ساتھ وہ فقہ و اجتہاد میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، ملا علی قاری نے ان کو طبقۂ ثالثہ کے مجتہدین میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مجتہدین ہیں جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحبِ مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو جیسے خصاب، ابو جعفر طحاوی، ابو الحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں اور ان جیسے حضرات ہیں، یہ لوگ امام صاحبؒ سے اصول و فروع میں مخالفت نہیں کرتے، البتہ حسب اصول و قواعد ان مسائل میں احکام کا استنباط کرتے ہیں جس میں صاحبِ مذہب سے کوئی نص نہ ہو[2] مگر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مختصر طحاوی دلالت کرتی ہے کہ (امام طحاویؒ) مجتہد منتسب تھے، محض امام ابو حنیفہؒ کے مقلد نہ تھے، کیوں کہ بہت سے مسائل میں ان کے مذہب سے اختلاف کیا ہے[3] اس لئے مولانا عبدالحی صاحبؒ نے امام ابو یوسف و امام محمد کے طبقے میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ان کا مرتبہ ان دونوں سے کم نہیں تھا[4]

فنِ جرح و تعدیل اور امام طحاویؒ فنِ رجال و جرح و تعدیل میں امام طحاوی کو کامل دستگاہ حاصل تھی، اس فن میں مستقل کتابیں بھی لکھی تھیں، تاریخِ کبیر اور نقض المدلسین جو کرابیسی کے رد میں ہے، اسی طرح ابو عبید کے کتاب النسب پر مستقل تردید لکھی ہے، ان کے تلامذہ میں بھی ابن یونس و طبرانی ابن عدی جیسے ائمۂ جرح و تعدیل گذرے ہیں، مگر افسوس، ان حضرات کی کتابیں آج ناپید ہیں، اب مشکل الآثار میں جہاں رواۃ پر اور معانی الآثار میں جہاں احادیثِ متعارضہ پر کلام کرتے ہیں اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، البتہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتابیں اس فن پر موجود و مطبوع ہیں، مگر انھوں نے امام طحاوی کا ذکر نہ ان کے جلیل القدر شیوخ کے حالات میں کیا اور نہ ہی اعلیٰ درجہ کے تلامذہ میں درج کیا ہے، البتہ لسان المیزان و تہذیب میں بوقتِ ضرورت جرح و تعدیل میں امام طحاویؒ کا قول نقل کر دیا ہے، رجالِ حنفیہ کے متعلق اس طرزِ عمل کا شکوہ ان کے شاگرد حافظ سخاوی نے بھی کیا ہے، حافظ صاحب کے متعلق جو شکایت امام سخاوی کو ہے، اسی طرح علامہ سبکی شافعی کو علامہ ذہبیؒ سے ہے[5]

---

[1] لسان المیزان ج۲ ص۲۷۵، بستان المحدثین ص ۹۷ - [2] مقدمہ امانی بحوالہ ذیل الجواہر المضیئہ -
[3] بستان ص۹۶ - [4] التعلیقات السنیہ ص ۳۸ - [5] الطبقات الکبریٰ ج۲ ص ۱۹۷ -

قاضی ابن شحنہ شرح ہدایہ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں، حتی قال السبکی انہ لا ینبغی ان یؤخذ من کلامہ ترجمۃ شافعی ولا حنفی وکذا لا ینبغی ان یوخذ من کلام ابن حجر ترجمۃ حنفی متقدم ولا متأخر یہاں تک کہ علامہ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ (ذہبیؒ) کے کلام سے کسی شافعی وحنفی کا ترجمہ لینا مناسب نہیں، (قاضی ابن شحنہ فرماتے ہیں) کہ اسی طرح حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے کسی متقدم ومتاخر حنفی کا ترجمہ لینا بھی مناسب نہیں ہو سکتا۔[1]

امام طحاویؒ کے کمالات کا اعتراف امام صاحب کے فضل وکمال، ثقاہت ودیانت کا اعتراف ہر دور کے محدثین و مؤرخین نے کیا ہے جیسے متقدمین میں طبرانی، ابوبکر خطیب، حمیدی، ابن عساکر وغیرہ اور متاخرین میں ابی الحجاج مزی حافظ ذہبی، علامہ ابن کثیر وغیرہ ہیں، واقعہ یہ ہے کہ امام طحاوی قرآن وحدیث سے استنباط وفقہ میں اپنے معاصرین ومابعد کے علماء میں نظیر نہیں رکھتے، انھیں اعلم الناس بمذھب الامام ابی حنیفہؒ کہا گیا ہے۔[2]

علامہ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں: کان الطحاوی من اعلم الناس بسیر الکوفیین واخبارھم وفقھھم مع مشارکتہ فی جمیع المذاھب۔[3] امام طحاوی کوفیین کے سیر واخبار وفقہ کے بڑے عالم تو تھے ہی ساتھ ہی دیگر مذاہب سے بھی واقف تھے، ابن عماد حنبلی نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے: شیخ الحنفیۃ الثقۃ الثبت برع فی الحدیث والفقہ۔[4]

ابن تغری نے احد الاعلام وشیخ الاسلام کا خطاب دیا، فرماتے ہیں کہ امام طحاوی تو فقہ وحدیث واختلاف علماء واحکام ولغت ونحو وغیرہ علوم میں نظیر نہیں رکھتے تھے اور انھوں نے بہترین کتابیں تصنیف کیں۔[5]

علامہ ابن جوزیؒ نے یہ شاندار الفاظ استعمال کئے ہیں: کان ثبتًا فہمًا فقیھا عاقلا۔[6]

امام طحاوی کے ناقدین امام طحاویؒ کی جلالتِ شان وثقاہت کے باوجود بعض متاخرین علماء نے اعتراضات کئے ہیں۔ جو متقدمین کے اعتراف وتوثیق کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر علامہ ابن تیمیہؒ نے

---

[1] ماتمس بہ الحاجۃ ص۲۷۔ (نوٹ) ذہبی کی میزان کے حاشیے پر امام صاحب کا ترجمہ الحاقی ہے، کیونکہ مصنف نے مقدمہ میں خود صراحت کردی ہے کہ ائمہ متبوعین کے حالات ان کی عظمت وجلالت کی وجہ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ (غیث الغمام ص۱۳۶)

[2] عرف الشذی۔ [3] لسان المیزان ج۱ ص۲۷۵۔ [4] شذرات الذھب۔ [5] النجوم الظاہرہ ص ۲۳۹/۳

[6] المنتظم ج ۶ ص ۲۵۰۔

منہاج السنۃ میں حدیث ردِ شمس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ امام طحاویؒ کے نقدِ حدیث کا معیار اہلِ علم سے مختلف تھا، شرح معانی الآثار میں احادیث مختلفہ کو بیان کیا ہے، اور ان میں اس کو راجح قرار دیا جس کو از روئے قیاس حجت سمجھا ہے، ان کو دوسرے اہلِ علم کی طرح اسناد کی معرفت حاصل نہیں تھی، اگرچہ کثیر الحدیث وفقیہہ وعالم ہیں[1] ان کو علامہ ابنِ جوزی کے کلام سے دھوکہ ہوا کیوں کہ انھوں نے موضوع کہا ہے اور ان کا تشدد اس باب میں مشہور ہے، اس حدیث کی تصحیح بہت سے علماء نے کی ہے، حافظ بن الفتح ازدی نے صحیح قرار دیا اور ابوزرعہ وابن العراقی نے حسن کہا، حافظ بن حجر نے ابن جوزی کی خطأ قرار دیا، یہ حدیث تعدد طرق سے مروی ہے، اس لئے امام طحاوی وخفاجی نے صحیح قرار دیا[2] علامہ سیوطیؒ نے بھی اللآلئ المصنوعہ میں اس کو صحیح بتایا ہے[3]

حافظ بن حجر عسقلانی نے مسلمہ بن قاسم اندلسی کے اعتراض کو لسان المیزان میں نقل کیا ہے، حالانکہ مسلمہ نے اسی طرح کا اعتراض جب امام بخاری پر کیا تو تہذیب التہذیب میں اس کی تردید کی ہے اور مسلمہ کو مجہول قرار دیا ہے،

تصانیف | مؤرخین کے اجمالی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے مختلف فنون پر تصانیف کی ہیں متاخرین علماء سے زیادہ متقدمین نے ہمیشہ اسے قدر کی نظر سے دیکھا ہے، افسوس اس میں اکثر غیر مطبوع ہیں اس کی فہرست پیش ہے:

(۱) معانی الآثار: اس کا تفصیلی تعارف آئندہ کے صفحات میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۲) مشکل الآثار: ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ آخری تصنیف ہے[4] اس میں مصنّف نے احادیث کے تضاد کو رفع کیا ہے، اور ان سے احکام کا استخراج کیا ہے، حیدر آباد سے جو چار جلدیں طبع ہوئی ہیں وہ غالباً پوری کتاب کے نصف سے بھی کم حصہ ہے۔ قاضی ابن رشد نے بعض اعتراضات کے ساتھ اس کا اختصار کیا ہے، علامہ عینی کے شیخ قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطی نے اس اختصار کا بھی اختصار کیا ہے جو المعتصر من المختصر کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔

---

[1] الفوائد البہیہ۔ [2] المقاصد الحسنۃ ص ۱۰۷۔ [3] ظفر الامانی۔ [4] الفوائد البہیہ ص ۳۸

(۳) اختلاف العلماء ۳۰ جزء حدیثی میں بیان کی جاتی ہے۔ (۴) کتاب احکام القرآن:
۲۰ جزو میں ہے۔ (۵) کتاب الشروط الکبیر: ۴۰ جزء میں ہے۔ (۶) کتاب الشروط الاوسط۔
(۷) کتاب الشروط الصغیر۔ (۸) مختصر الطحاوی۔ حیدر آباد سے چھپ کر مشہور و متداول ہو چکی ہے۔
(۹) نقض کتاب المدلسین۔ ۵ جزء میں کرابیسی کی کتاب المدلسین کا بہترین رد ہے (۱۰) الرد علی ابی عبید
(۱۱) التاریخ الکبیر (۱۲) کتاب فی النحل واحکامہا (۱۳) عقیدۃ الطحاوی (۱۴) سنن الشافعی۔
اس میں وہ سب حدیثیں جمع کر دی ہیں جو امام مزنی کے واسطے سے امام شافعیؒ سے سنی تھیں۔
علامہ عینی نے کہا ہے کہ (مسندِ شافعیؒ) کو روایت کرنے والے اکثر امام طحاوی کے واسطے سے ہیں۔
اس لئے سننِ شافعی کو سننِ طحاوی بھی کہا گیا ہے۔ (۱۵) شرح المغنی (۱۶) النوادر الفقہیۃ ۱۰ جزء میں ہے
(۱۷) النوادر والحکایات، تقریباً ۲۰ جزء میں ہے۔ (۱۸) جزء فی حکم ارض مکۃ (۱۹) جزء فی قسم الفئ
والغنائم (۲۰) کتاب الاشربۃ (۲۱) الرد علی عیسیٰ بن ابان (۲۲) جزء فی الرزیۃ (۲۳) شرح
الجامع الصغیر للامام محمد (۲۴) شرح الجامع الکبیر لہٗ (۲۵) کتاب المحاضر والسجلات (۲۶) کتاب الوصایا۔
(۲۷) کتاب الفرائض (۲۸) اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (۲۹) کتاب التسویہ بین حدثنا واخبرنا۔
(۳۰) کتاب صحیح الآثار (۳۱) اختلاف الروایات علی مذہب الکوفیین (۳۲) کتاب العزل۔
(۳۳) مناقب ابی حنیفۃؒ۔

شرح معانی الآثار | شرح معانی الآثار کو معانی الآثار بھی کہا گیا ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی پہلی تصنیف ہے۔[1] مگر ان کی کتابوں میں نہایت اہم و مشہور و متداول ہے، علماء نے خصوصیت سے اس کی طرف اعتناء کیا ہے، حافظ سخاوی نے جن کتبِ حدیث کے مطالعے کا خصوصی مشورہ دیا ہے اس میں شرح معانی الآثار بھی ہے۔[2]

علامہ امیر اتقانی فرماتے ہیں: فانظر شرح معانی الاثار هل تری لہ نظیرا فی سائر المذاهب فضلا عن مذهبنا هذا[3] شرح معانی الآثار پر غور کرو، کیا تم ہمارے اس مذہب حنفی کے علاوہ

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۳۸۔ [2] فتح المغیث ص ۳۲۹۔ [3] الفوائد البہیہ ص ۱۸۔

دیگر مذاہب میں بھی اس کی نظیر پا سکتے ہو؟ علامہ عینی نے برسوں اس کا درس دیا ہے۔

معانی الآثار کا کتبِ حدیث میں مقام

علامہ عینیؒ نے اس کو دوسری بہت سی کتبِ حدیث پر ترجیح دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ وغیرہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے، کہ اس میں شک کوئی ناواقف ہی کرے گا۔[1]

علامہ ابنِ حزم نے اپنے جمود و تشدد کے باوجود اس کو سنن ابی داؤد و نسائی کے درجہ پر رکھا ہے۔[2]

علامہ ابن خلدون امام دارقطنی وغیرہ کی تقلید میں یہ لکھ گئے کہ طحاوی کے شرائط متفق علیہ نہیں ہیں کیوں کہ مستور الحال وغیرہ سے بھی روایت کی ہے، اس لئے اس کا مرتبہ صحیحین اور سنن کے بعد ہے[3] حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک امام طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار کا مرتبہ سنن ابی داؤد کے قریب ہے، کیوں کہ اس کے رواۃ معروف ہیں، اگر بعض متکلم فیہ بھی ہیں، اس کے بعد ترمذی، پھر سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے۔[4]

معانی الآثار پر امام بیہقی کے اعتراض کا جواب

امام بیہقی نے امام طحاوی اور ان کی کتاب معانی الآثار پر اعتراض کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ علم حدیث امام طحاوی کا فن نہیں تھا، بلکہ انھوں نے کچھ حاصل کر لیا تھا، مگر انھیں اس میں رسوخ و اتقان حاصل نہیں، آگے چل کر فرماتے ہیں کہ شرح معانی الآثار میں انھوں نے بہت سی ضعیف حدیثوں کو اپنی رائے سے صحیح کہہ دیا۔ اور بہت سی صحیح کو ضعیف کہہ دیا۔

شیخ عبدالقادر نے الجواہر المضیئہ میں اس پورے اعتراض کو نقل کر کے جواب دیا ہے کہ میں نے امام طحاوی کی کتاب کی شرح لکھی ہے اور اس کی اسانید پر کلام بھی کیا ہے، صحاحِ ستہ، مصنف ابی بکر بن شیبہ اور دوسری کتبِ حدیث سے مطابقت کر کے پرکھا بھی ہے، مگر حاشا و کلا! امام بیہقی نے جو اعتراض کیا ہے وہ کہیں بھی نہیں ہے، اس شرح کا نام الحاوی فی بیان آثار الطحاوی رکھا ہے، امام بیہقی کے جواب میں قاضی القضاۃ علاء الدین ماردینی نے الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی لکھی ہے، جس میں تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ جو اعتراض امام طحاوی پر کر رہے ہیں اس کے مرتکب وہ خود ہیں،

---

[1] الحاوی ص ۱۲۔ [2] مقدمہ التعلیق الممجد۔ [3] الحطہ ص ۳۴۔ [4] فیض الباری ج ۱ ص ۵۷ و ۵۸۔

الجواہر النقی شائع ہو چکی ہے، اور سنن بیہقی کے ساتھ بھی چھپ چکی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جس طرح کے اعتراضات معانی الآثار پر کیے گئے ہیں، اس طرح کے بلکہ اس سے زیادہ سخت اعتراضات تو سنن اربعہ پر کیے گئے ہیں، اور یہ کتاب سنن بیہقی و دارمی و دارقطنی سے بدرجہا فائق ہے۔[1]

معانی الآثار کی خصوصیات | اب ہم چند کتابی خصوصیات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو مقدمہ امانی الاحبار

(۱) اس میں بکثرت ایسی حدیثیں موجود ہیں جس سے دیگر کتب خالی ہیں۔

(۲) ایک حدیث کی مختلف اسانید جمع کر دیتے ہیں، جس سے ایک محدث کو بہت نکات و فوائد کا علم ہوتا ہے۔

(۳) غیر منسوب رواۃ کی نسبت اور مبہم راوی کا نام، مشتبہ کی تمیز، مجمل کی تفسیر، اضطراب و شک راوی سب کو نہایت وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

(۴) صحابہؓ و تابعین کے آثار، فقہاء کے اقوال اور ائمہ کی جرح و تعدیل بھی بیان کرتے ہیں جس سے ان کے معاصرین کی کتابیں خالی ہیں۔

(۵) کبھی ترجمۃ الباب کسی فقہی مسئلہ پر قائم کرتے ہیں اور باب کی تحت کی روایت سے ایسے دقیق استنباطات کرتے ہیں جس کی طرف اذہان کم منتقل ہو سکتے تھے،

(۶) کتاب کو فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، کبھی معلوم ہوا کہ باب کے تحت کی روایت بظاہر ترجمہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی مگر نہایت لطیف طریقے سے ترجمہ سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے اس روایت کو درج کرتے ہیں مثلاً باب المیاہ کے تحت ان المسلم لا ینجس و اعرابی کے مسجد میں بول والی حدیث یہ مقامات نہایت دقیق ہیں،

(۷) ادلۂ احناف کے ساتھ دوسرے ائمہ کے دلائل بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر نظر قائم کر کے پوری طرح محاکمہ کرتے ہیں جس سے تفقہ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

شروح و متعلقات | الحاوی فی تخریج معانی الآثار للطحاوی (للحافظ عبد القادر القرشی)

(۲) مبانی الاخبار للعینی: چھ جلدوں میں موجود ہے جس میں رجال پر کلام نہیں کیا ہے۔

(۳) نخب الأفکار فی شرح معانی الآثار للعینی: علامہ عینی نے شرح حدیث کے ذیل میں رجال پر بھی مفصل گفتگو کی ہے، یہ عمدۃ القاری شرح بخاری کے مثل ہے۔

---

[1] الفوائد البہیہ۔

(۴) معانی الأخبار فی رجال معانی الآثار (للعینی) اس کی تلخیص ہے کشف الأستار کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ عبد ابن عبد البر احمد علامہ زیلعی نے معانی الآثار کی تلخیص کی ہے۔ (۵) (۶)

محمد یاہلی کی کتاب تصحیح (۷) معانی الآثار کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

حافظ قاسم ابن قطلوبغا نے بھی طحاوی کے رجال پر ایک مستقل تصنیف الإیثار فی رجال (۸) معانی الآثار کے نام سے کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۹) نے بھی اتحاف المہرۃ میں جن دس کتابوں کے اطراف جمع کئے ہیں، ان میں معانی الآثار للطحاوی بھی شامل ہے۔

(۱۰) أمانی الأخبار فی شرح معانی الآثار - حضرت مولانا محدث الداعی إلی دین اللہ و إلی دار السلام محمد یوسف نور اللہ مرقدہٗ کی گرانقدر و معرکۃ الآراء شرح ہے، فی الواقع یہ تمام شروحِ سابقہ کا بہترین خلاصہ ہے، اس کتاب میں حضرت مولانا کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ اکثر متقدمین (حافظ عینی کے پیشرو) علماء کے اقوال نقل کئے جائیں۔ جب متقدمین کا کوئی قول نہیں ملتا تو متأخرین کے اقوال علی الترتیب نقل کئے ہیں۔ اس شرح میں طحاوی کے مشکل مقامات کا حل پیش کیا گیا ہے،

افسوس ہے کہ شرح کی تکمیل تو تقریباً ہو چکی تھی، لیکن حضرت مولانا کی زندگی میں صرف دو ہی جلدیں چھپ کر شائع ہو سکیں۔ کہ اچانک حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ وصال پیش آیا۔ ؎

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان سے جانی

پہلی جلد کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جس میں طحاوی کے اسماء الرجال کی ایک مبسوط فہرست بھی پیش کی گئی ہے، اس مقالہ میں اس سے پوری طرح استفادہ کیا گیا ہے!

(و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین)